شام کی حزب البعث

اس کی تاریخ، نظریات اور کارنامے

خلیل حامدی

(۲)

بعث پارٹی کا منشور یہاں تک ہم نے بعث پارٹی کے بانی مائیکل عفلق کے خیالات پیش کیے ہیں جو اس نے خود اپنی کتابوں میں ظاہر کیے ہیں۔ اب ہم آپ کے سامنے اس پارٹی کے منشور میں سے چند اقتباسات پیش کرتے ہیں جن میں اسلام کے بارے میں بعث کے خیالات کا اظہار کیا گیا ہے:

"رجعت پسند[۱] اُن تمام قوانین کو جو ہمارے پچھلے قومی انقلاب[۲] میں پیش کیے گئے تھے، سرمدی اور ابدی حل کہتے ہیں اور انہیں ہر زمانے اور ہر ملک کے لیے مفید قرار دیتے ہیں۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ اللہ نے ایک مرتبہ تو ان قوانین کے ذریعہ سے عرب قوم کو بچایا اور اب وہ انہی قوانین کے ذریعہ سے، جو بوسیدہ ہو چکے ہیں، عرب قوم کا گلا گھونٹنا چاہتا ہے[۳]۔"

"بیسویں صدی کی عینک سے جب ہم پچھلی تہذیبی روایات کو دیکھتے ہیں تو ہمیں وہ بالکل ہیچ اور ناکارہ نظر آتی ہیں۔ ان کا بیسویں صدی کی انسانی سوسائٹی سے ہم آہنگ ہونا محال ہے۔"

"زندگی کی نئی تشکیل کے لیے تم (کارندوں سے خطاب ہے) جتنے حل پیش کرو گے رجعت پسند

---

[۱] منشور میں اسلام پسند عناصر کو رجعت پسند کہا گیا ہے۔

[۲] اس قومی انقلاب سے مراد وہ انقلاب ہے جو رسول اللہ صلعم نے برپا کیا تھا۔ بعث پارٹی اس انقلاب کو عربوں کے سابق انقلاب سے تعبیر کرتی ہے۔

[۳] یعنی اب اگر عربوں نے اسلام کی پیروی پر اصرار کیا تو وہ مر جائیں گے اور تباہ و برباد ہو جائیں گے۔

انہیں جدید اور علمی ماننے کے باوجود بشری حل کہیں گے۔ لیکن اسلام کے اندر جتنے قوانین بیان کیے گئے ہیں وہ ان کی نگاہ میں الٰہی قوانین ہیں، کامل اور اٹل ہیں، ہر قوم اور ہر زمانے کے لیے موزوں ہیں، اس لیے جدید قوانین سے برأت کا اظہار کرنا چاہیے۔ لیکن بعث رجعت پسندوں کے اس فریب میں نہیں آئے گی۔"

"اسلام تو صرف زکوٰۃ، صدقات اور دوسروں پر احسان دھرنے کا "سوشلزم" پیش کرتا ہے۔ مگر "عرب سوشلزم" سرے سے غربت اور نفع اندوزی کا قلع قمع کر دیتا ہے۔ آپ دیکھیں گے کہ سرزمین عرب میں ایک انسان بھی ایسا نظر نہ آئے گا جسے کسی کے احسان، صدقہ، شفقت و رحمت اور مہربانی اور کرم نوازی کی ضرورت ہو۔"

"ہمارے اور رجعت پسندوں کے درمیان یہی فرق ہے۔ ہمارا نظریہ زندگی بخش اور سائنٹفک ہے۔ جوہر اور ماہیت اس کا ہدف ہے۔ اس کے مقابلے میں رجعت پسندوں کا موقف مردہ اور جامد ہے۔ مستقبل کی بربادی ہے۔ اور شکلیں اور چھلکے اس کا ہدف ہے۔ یہ لوگ تمام صلاحیتوں کو ماضی کی بھینٹ چڑھانا چاہتے ہیں۔"[1]

بعث پارٹی کا مذہب پر تازہ ترین حملہ بعث پارٹی کی ایک تازہ ترین تحریر کے بھی ہم ضروری حصے نقل کر دیتے ہیں۔ یہ تحریر اسرائیل کے حالیہ حملے سے صرف ایک ماہ پیشتر منظرِ عام پر آئی تھی اور شامی فوج کی ہائی کمان کے ترجمان ہفت روزہ "جیش الشعب" میں ابراہیم خلاص کے قلم سے شائع ہوئی تھی۔[2]

"عرب قوم نے خدا کو مدد کے لیے پکارا۔ اسلام اور مسیحیت کی بوسیدہ قدروں کی جستجو کی سرمایہ داری

---

[1] یہ تمام اقتباسات ہم نے دمشق کے ہفت روزہ "الشہاب" شمارہ ۵ جنوری ۱۹۵۶ء سے نقل کیے ہیں۔ بعث پارٹی کی ان تحریروں کے خلاف شامی پارلیمنٹ میں ہنگامہ بھی ہوا تھا۔

[2] ملاحظہ ہو روزنامہ "الحیاۃ" بیروت شمارہ ۵ مئی ۱۹۶۷ء۔ نیز ہفت روزہ "اخبار العالم الاسلامی"، مکہ، بابت ۵ جون ۱۹۶۷ء۔

جاگیرداری، اور قرونِ وسطیٰ کے بعض نظاموں کا سہارا لیا۔ لیکن ان میں سے کسی ایک نے اس کی ذرہ بھر مدد نہ کی۔"

"اسلام اور مسیحیت کی قدروں نے عرب انسان کو ذلیل اور توکل پرست بنا دیا۔ مجبور اور تابع بنا دیا۔ ایک ایسا انسان بنا دیا جو صرف یہ کہنا جانتا ہے کہ لاحول ولا قوۃ الا باللہ۔"

"البتہ جدید قدریں جو نیا "عرب انسان" تیار کر رہی ہیں، ترقی پسند اور مصیبت زدہ انسان کے سینے سے پھوٹی ہیں، بھوکے انسان کے دل سے اُبلی ہیں، جدید انقلاب پرست اشتراکی انسان کی ذات ان کا سرچشمہ ہے۔"

"عرب تہذیب کی تعمیرِ جدید اور عرب سماج کی تشکیل نَو کا واحد راستہ یہ ہے کہ ایک جدت پسند، انقلاب پرست، اشتراکی انسان کو جنم دیا جائے، جس کا پختہ ایمان ہو کہ خدا، دین، سرمایہ داری، جاگیرداری، سامراج اور وہ تمام قدریں جو آج تک سماج پر چھائی رہی ہیں، محض حنوط شدہ لاشیں ہیں اور فقط تاریخ کے میوزیم کی زینت ہیں۔"

"ہم جب یہ شرط عائد کرتے ہیں کہ جدید انسان کو پچھلی تمام قدریں ردی کی ٹوکری میں اٹھا کر پھینک دینی چاہییں تو اس کے ساتھ ہی ہمارا یہ بھی فرض ہے کہ ہم مخصوص نوعیت کی نئی قدریں وضع کریں۔ بلکہ یوں کہنا چاہیے کہ بنیادی طور پر صرف ایک ہی قدر درکار ہے اور وہ ہے "جدید خود مختار انسان" پر ایمانِ مطلق، جو صرف اپنی ذات اور اپنے کام اور انسانیت کی خدمت پر بھروسہ کرتا ہو اور اسے یقین ہو کہ موت اس کا حتمی خاتمہ ہے اور موت کے بعد کچھ نہیں ہے، جنت اور دوزخ سب افسانے ہیں، انسان موت کے بعد ایک ذرے میں تبدیل ہو جاتا ہے اور گردشِ زمین کے ساتھ گردش کرتا رہتا ہے۔

وہ اپنی قوم اور انسانیت پر کسی صلہ کی خواہش کے بغیر ہر وہ چیز قربان کرنے کے لیے بیقرار رہتا ہے جو اس کی ملکیت میں ہوتی ہے۔ اس کے دل میں جنت کے کسی چھوٹے سے چھوٹے گوشے کے حصول کی بھی خواہش نہیں ہوتی۔ وہ صرف یہ خواہش رکھتا

ہے کہ فنا ہو جانے کے بعد کہا جائے کہ وہ فی الواقع سچا مزدور تھا۔"

"ہمیں ایسے انسان کی ضرورت نہیں ہے جو نمازیں پڑھتا ہو اور ذلیل و عاجز بن کر رکوع میں جھکتا ہو، اپنے لیے رحم اور مغفرت کی طلب میں سرگرداں ہو، کیونکہ کرائسٹ کی زبان میں نماز کا خلاصہ یہ ہے کہ "اے میرے خدا مجھے سنبھال کر رکھ"۔ ہم جس انسان کے ضرورت مند ہیں وہ اشتراکی، اور انقلاب پسند انسان ہے جس کا ایمان ہو کہ انسان ہی حقیقتِ مطلقہ ہے۔"

"بوسیدہ اور ذلت پسند انسان کے خاتمہ پر، جو بوسیدہ اور لچک سے عاری قدروں کا شرعی وارث ہے، ہم آنسو نہیں بہائیں گے جس طرح مصری خاتون غادۃ السمان نے "ماتم میں" "کیا خدا مر گیا ہے؟" کا مضمون پڑھ کر آنسو بہائے تھے۔ اگر غادۃ السمان جولین ہکسلے کی کتاب "صرف انسان ہی قائم و دائم ہے" پڑھ لیتی تو نہ معلوم اس پر کیا گزرتی۔ اے غادۃ! تو اپنے پاگل انسان پر یا خود اپنی ذات پر جتنا چاہے نالہ و شیون برپا کر، میرے خیال میں تو یہ کہہ رہی ہے کہ "اے مذہب کے علمبردارو مجھے بچاؤ" لیکن تیری یہ پکار گزر جانے والوں کی صدائے بازگشت کے سوا کچھ نہیں ہے۔"

بعث پارٹی اور مارکسزم اشتراکیت کے بارے میں بعث پارٹی کا تصور کوئی ڈھکا چھپا تصور نہیں ہے۔ بعث پارٹی جب اشتراکیت کا نام لیتی ہے تو اس سے مراد صاف صاف مارکسی اشتراکیت ہوتی ہے۔ جو طریقہ مارکسی اشتراکیت کو عملی جامہ پہنانے کے لیے روس اور چین میں اختیار کیا گیا ہے بعث پارٹی بھی اُسی طریقہ کی علمبردار ہے۔ اسی لیے وہ اپنی اشتراکیت کو "انقلابی اور علمی اشتراکیت" کی اصطلاح سے بیان کرتی ہے۔ مندرجہ ذیل بیانات سے یہ بات خوب واضح ہو جاتی ہے:

بعث کے رکن رکین صلاح الدین بیطار نے ایک پریس بیان میں کہا:

"سب سے پہلے میں بعث کے شعار (اشتراکیت) سے پردۂ ابہام دور کرنا چاہتا ہوں۔۔۔ "عرب اشتراکیت" کے لفظ سے یہ شبہ ہو جاتا ہے کہ ہم اشتراکیت کی کوئی نئی قسم ایجاد کر رہے ہیں۔ میں یہ واضح کر دینا چاہتا ہوں کہ ہماری نگاہ میں اشتراکیت کی ایک ہی قسم ہے اور وہ ہے "سائنٹفک سوشلزم"۔۔۔ چنانچہ مارکسزم ہمارے نزدیک اشتراکی نظریہ کا اساسی

ماخذ بالا[1]

فروری ۱۹۶۶ء کو جب بعث پارٹی کے بائیں بازو نے انقلاب برپا کیا تو اس کی حمایت میں ڈاکٹر نور الدین اتاسی (موجودہ صدر شام) نے ۵ مارچ کو ایک بیان میں واضح کیا کہ "ہمارا مشن سائنٹیفک سوشلزم یعنی مارکسزم کا نفاذ ہے"[2]

مائیکل عفلق نے اشتراکیت کی وضاحت کرتے ہوئے کہا:

"ہم مارکسزم کو قدر کی نگاہ سے دیکھتے ہیں۔ اشتراکی ہونے کی حیثیت سے ہم مارکسزم سے بہت کچھ مراد اخذ کریں گے"[3]

اسی بنا پر بعث پارٹی طبقاتی جنگ برپا کرنے کی حامی ہے اور قتل و غارت اور سلب و نہب کو مارکسزم کے عروج کے لیے ضروری سمجھتی ہے:

"عوام کے پسماندہ طبقے کے ذہن میں طبقاتی تعاون کا جو بچا کھچا تصور موجود ہے اس کی تطہیر اور اخراج بیحد ضروری ہے۔ اس جنگ کا تقاضا صرف اتنا ہی نہیں کہ قلع قمع کرنے پر اکتفا کیا جائے، بلکہ غلط نظریات کو جڑ سے اکھاڑ پھینکنا ضروری ہے۔ انقلابی عوام کو بورژوا طبقہ کے خلاف طبقاتی جنگ کا مسئلہ واضح اور قطعی شکل میں اختیار کرنا چاہیے۔ یا ہم زندہ رہیں گے اور یا بورژوا زندہ رہیں گے۔ کوئی بھی درمیانی حل محض جھوٹ اور فریب ہوگا اور اس کا مقصد بورژوائیت کا بچاؤ ہوگا"

"بعث پارٹی شہریوں کو وہ "سائنٹفک سوشلزم" یعنی مارکسزم کی تربیت دینا چاہتی ہے تاکہ انہیں ان بوسیدہ اجتماعی افکار اور روایات سے نجات دلائی جائے جنہیں وہ نسلاً بعد نسل سینے سے لگائے چلے آرہے ہیں اور تاکہ ایک ایسا عرب انسان تیار کیا جا سکے جو روشن اور سائنٹفک شعور سے بہرہ ور ہو، جدید اشتراکی اخلاق سے آراستہ ہو، اجتماعی اقدار پر ایمان رکھتا ہو"[4]

۱۔ ملاحظہ ہو روزنامہ الاسد، بیروت، شمارہ ۱۲ اپریل ۱۹۶۳ء بیان صلاح الدین بیطار وزیر اعظم شام

۲۔ ملاحظہ ہو مجلہ الطلیعہ، قاہرہ شمارہ جولائی ۱۹۶۶ء

۳۔ اخبار الجماہیر، بغداد، شمارہ ۲۰ فروری ۱۹۶۳ء ۴۔ ملاحظہ ہو کتابچہ "ایڈیولوجی حزب البعث" شائع شدہ ۱۹۶۴ء

بعثی اشتراکیت کے نتائج

بعث پارٹی کی اشتراکیت کی وجہ سے شام کی اندرونی طور پر جو حالت ہو چکی ہے، اُسے ہم ایک عرب مصنف کی زبان سے بیان کرتے ہیں:

"اقتصادی طور پر شام کی جو بدحالی ہو چکی ہے وہ الگ ایک موضوع ہے۔ آبادی کے لحاظ سے بھی شام کی حالت اس مریض کی طرح ہو چکی ہے جس کے جسم سے خون کی غیر معمولی مقدار بہہ چکی ہو۔ شام کے انجینئر، پروفیسر، ماہرین امورِ مملکت، خصوصی مہارت رکھنے والے افراد جن پر شام نے کئی ملین صرف کیے۔ ڈاکٹر، سائنس دان، ادباء، اخبارات اور ٹیلی ویژن اور ریڈیو میں کام کرنے والے، صنعت کار اور صنعت پیشہ، بڑے درمیانے اور چھوٹے تاجر، روپیہ لگانے والے، قانون دان، اربابِ صحافت، صنعت کار، تاجر، بلکہ چھوٹے چھوٹے ملازمین اور کاشتکار اور مزدور تک بہت بڑی تعداد میں ملک چھوڑ چکے ہیں۔ صرف سینی گال کے اندر ایک ہزار ۵ سو شامی ماہرین جا چکے ہیں۔ مراکش، تونس، لیبیا، سوڈان، اور یورپ کے مختلف شہروں میں بھی شام کے مختلف طبقوں کے مہاجر بہت بڑی تعداد میں نظر آرہے ہیں حالانکہ وہاں کاروبار کے لیے کٹھن شرائط پائی جاتی ہیں۔ کویت اور قطر اور سعودی عرب میں جو شامی ہجرت کر گئے ہیں ان میں سابق وزراء، ریٹائرڈ فوجی افسر، پروفیسر، ڈاکٹر اور دوسرے محنت کار ہیں۔ شام کا اکثر و بیشتر سرمایہ لبنان منتقل ہو چکا ہے۔ کل تک شام کو جو صنعتی رونق حاصل تھی وہ آج لبنان کو حاصل ہو ہے۔ شام دوسرے عرب ممالک سے کٹ چکا ہے۔ اشتراکی دور سے پہلے شام کی مصنوعات اور پیداوار دنیا کی منڈیوں میں فراوانی سے پہنچتی تھیں۔ شام اپنا زائد غلّہ اور روئی برآمد کرتا تھا۔ ایک مرتبہ صرف دمشق نے فلوریڈا اور نیویارک کو ۳۰ لاکھ شامی لیروں کا کاغذ برآمد کیا تھا اسی وقت لبنان میں ۲ لاکھ ۸۰ ہزار شامی ٹیکنیکل ہینڈز موجود ہیں۔ شام کو اب اگر جا کر دیکھا جائے تو وہ ویران اور سنسان صحرا کا نمونہ پیش کرتا ہے۔ معمولی چھوکرے اس پر حکمرانی کر رہے ہیں۔ بازار اچھے تاجروں سے ——— خالی ہو چکے ہیں۔ کساد بازاری کا دور دورہ ہے۔ باہمی اعتماد رخصت ہو چکا ہے۔ دیہات کی حالت اور بھی دگرگوں ہے۔ موجودہ دور میں ان دیہات کے لوگ جس

مفلوک الحالی سے دوچار ہیں وہ پہلے کبھی نہیں دیکھی گئی۔ اگرچہ اشتراکی دَور کے ہر شخص کی پیشانی پر بدقسمتی چسپاں ہو چکی ہے مگر کسان اور مزدور کی حالت سراسر ناگفتہ بہ ہے۔ حالانکہ کسان اور مزدور کے نام پر ہی تمام اشتراکی انقلاب برپا ہو رہے ہیں۔"[1]

اقتصادی لحاظ سے شام دیوالیہ ہو چکا ہے۔ شام کا تمام سرمایہ باہر منتقل ہو چکا ہے۔ کارخانے اور فیکٹریاں بند پڑی ہیں۔ خود شام کے وزیر اقتصاد شہریوں کی شکایات کا جواب دیتے ہوئے اقتصادی بحران کے وجوہ یہ بیان کرتے ہیں:

الف: ملکی منڈیوں پر جمود طاری ہے۔ اور ہمسایہ ممالک کو بھاری برآمد نہ ہونے کے برابر ہے۔

ب: بعض بنکوں اور تجارتی اداروں کے ساتھ معاملات میں گڑبڑ ہو گئی ہے۔ کیونکہ ۶ ماہ سے درآمدات کی قیمتیں ان کو ادا نہیں کی گئی ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ فارن سیکٹر میں ملکی آمدنی سکڑ گئی ہے۔

ج: اشیاء بازار سے غائب ہو گئی ہیں۔ بعض کمیاب ہیں۔ اشیاء کی قیمتیں بالعموم بڑھ گئی ہیں۔

د۔ جدید تجارتی، زراعتی اور صنعتی منصوبے نافذ نہیں کیے جا سکے۔[2]

مشہور شامی سوشلسٹ لیڈر اکرم حورانی کا بیان ہے کہ "رجعت پسندوں کے دَور میں تقسیم اراضی کے اندر عدلِ اجتماعی کی جامع اور ہمہ گیر مثالیں ملتی ہیں۔ مگر انقلابی دَور میں وسائل کی فراوانی کے باوجود یہ مثالیں مفقود ہیں۔"[3]

<u>تشدد کا راستہ</u> | حکمران گروہ نے تمام زمینداریوں کو قومی ملکیت بنا لیا۔ ان کے مالکوں کو ایک پائی معاوضہ نہیں دیا گیا۔ دلچسپ بات یہ ہے کہ نُصیری اور دروزی زمیندار "اشتراکی قوانین" سے محفوظ رہے۔ یہ قوانین صرف مسلمان "رجعت پسندوں" کے لیے مخصوص ہیں۔ آج بڑے بڑے "رجعت پسند" جنہوں نے شام کو فرانس کی غلامی سے نکالا تھا، مثلاً شکری القوتلی[4]، معروف دوالیبی، یہ سب ملک بدر ہیں۔ "اشتراکی قوانین" کو جب

---

[1] ملاحظہ ہو کتاب: "یوماں لا ینشا بھان" تالیف احمد فؤاد الیمانی مطبوعہ دار الریحانی، بیروت ص ۱۲۸ تا ۱۳۱۔

[2] سقوط الثورات الاشتراکیہ ص ۱۳۶ [3] الاشتراکیۃ فی التجارب العربیۃ، مکتبہ دار الکتاب الجدید لبنان، ص ۸۵

[4] ۲۹ جون ۱۹۶۷ء کو شکری القوتلی بیروت کے ایک ہسپتال میں انتقال کر گئے ہیں۔ مرحوم شام کے صدر رہ چکے ہیں۔

تشدد اور جبر کے ساتھ نافذ کیا جا رہا ہے اُس کا اندازہ صرف ایک مثال سے ہو سکتا ہے۔ جنوری ۱۹۶۷ء کے پہلے ہفتے میں شام کے شمالی علاقے میں السنجرہ نامی ایک قصبے کے اندر فوجی عدالت قائم کی گئی۔ اس فوجی عدالت کا مقصد ان کسانوں اور غریب فلاحین کا محاسبہ تھا جنہوں نے اشتراکی احکام کی تعمیل سے انکار کر دیا تھا یا ان کی تنفیذ میں کسی نہ کسی حیثیت سے رکاوٹ پیدا کی تھی۔ چنانچہ ان کسانوں کو عدالت کی طرف سے عبرتناک سزائیں دی گئیں۔[1]

شامی عوام کے ساتھ بعث نے جو سلوک کیا اس کا کسی قدر اندازہ قارئین کو ہو گیا ہوگا مگر خود بعث پارٹی کے اندر طوائف الملوکی کا جو دَور دورہ ہوا ہے اور شامی فوج کی جس طرح دھجیاں اڑی ہیں وہ اس داستان کا نہایت ہی دردناک حصہ ہے۔ بعث پارٹی نے اختیارات ہاتھ میں لینے کے بعد شام کے اسٹیج پر جو سیاسی ڈرامے کھیلے ہیں اُن کا مختصراً بیان یہ ہے:

غیر بعثی عناصر کی تطہیر

انقلاب برپا کرنے کے بعد بعثی عناصر نے "تطہیر" کا عصا ہاتھ میں لیا اور سول اور فوج کے اہم مناصب سے ان تمام عناصر کو نکالنا شروع کر دیا جو بعث کے نظریہ کے خلاف تھے یا بعث پارٹی کے لیڈروں سے ان کے ذاتی اختلافات تھے۔ اس تطہیر کی مہم میں انہوں نے ناصر کے حامی عناصر کو برطرف کیا۔ اسلام پسند عناصر کو چُن چُن کر ختم کیا۔ بلکہ زیاد الحریری جو مارچ ۱۹۶۳ء کے بعثی انقلاب کا ہیرو تھا اُسے بھی بیک بینی و دوگوش ملک سے نکال باہر کیا گیا کیونکہ وہ بعث کے نظریہ کا حامی نہیں تھا اور شبہ تھا کہ کہیں قاہرہ کی طرف رجحان نہ رکھتا ہو۔ اس ہنگامۂ دار و گیر نے ملک کے اندر شدید اضطراب کی صورت اختیار کر لی۔ مخالفین سے انتقام در انتقام کا ایک ہولناک سلسلہ شروع ہو گیا۔ نہ کوئی قانون کی حُرمت باقی رہی اور نہ کسی فرد کی عصمت و آبرو کا تحفظ رہا۔ جنرل امین الحافظ اور صلاح الدین بیطار نے یکسوئی کے ساتھ امورِ خسروانی سرانجام دینے شروع کر دیئے اول الذکر صدر اور ثانی الذکر وزیر اعظم بنے۔ تمام نمایاں فوجی افسروں کو "مالِ غنیمت" میں سے حصہ دیا گیا۔ کچھ لوگوں کو سفیر بنا کر باہر بھیج دیا گیا۔ کچھ لوگوں کو ملک کے اندر ہی "زرخیز" مناصب دے دیئے گئے۔ تقسیم دولت کے دوران ہی خود بعث پارٹی کے اندر اختلافات بلکہ کشمکش کا آغاز ہو گیا۔ جنرل محمد عمران جس نے بعثی انقلاب میں حماہ

---

[1] سقوط الثورات الاشتراکیۃ

کو فتح کیا تھا، اور امین الحافظ کے درمیان کھچاؤ پیدا ہو گیا۔ نتیجتہً جنرل محمد عمران کو میڈرڈ میں سفیر بنا کر بھیج دیا گیا۔ مگر صلاح الدین بیطار نے تھوڑے عرصہ بعد واپس بلا کر وزیر دفاع بنا دیا۔

بعث قیادت میں پھوٹ دسمبر ۱۹۶۵ء میں بعث پارٹی دو حصوں میں بٹ گئی۔ ایک بعث کی "بین الاقوامی کمان" اور دوسری "علاقائی کمان"۔ بین الاقوامی کمان کی قیادت مائیکل عفلق، امین الحافظ اور صلاح الدین بیطار کے ہاتھ میں تھی اور "علاقائی کمان" پر نُصیری اور دروزی فوجی افسروں کا قبضہ تھا۔ علاقائی کمان نے یہ دیکھ کر کہ شام کی حکمرانی کا سارا لطف بین الاقوامی کمان اٹھا رہی ہے، اپنے مطالبات پیش کیے، مگر مائیکل عفلق نے ایک طویل فلسفیانہ یادداشت کے ذریعہ ان مطالبات کو ٹھکرا دیا اور "علاقائی کمان" کو توڑ دیا۔ آخر "علاقائی کمان" نے "بین الاقوامی کمان" کے خلاف بغاوت کر دی۔ جنرل صلاح جدید اور بریگیڈیر سلیم حاطوم اور ان کے دوسرے ساتھیوں نے مل کر دمشق پر لشکر کشی کر دی اور اس تاریخی شہر پر توپوں سے خوب گولہ باری کی[1]۔ "بین الاقوامی کمان" کا دفتر جو قصرِ صدارت میں تھا ان گولوں کا نشانۂ خاص تھا۔ امین الحافظ کے بیوی بچے اس گولہ باری میں مارے گئے۔ خود امین الحافظ بھی شدید زخمی ہوا اور اُسے المزہ جیل کے اسپتال میں داخل کیا گیا۔ بعث پارٹی کے بانی مائیکل عفلق کی گردن بھی ناپی گئی اور اُسے بھی المزہ جیل بھیج دیا گیا[2]۔ فوج اور سول کے وہ تمام افسر جن کا نام "بین الاقوامی کمان" کی فہرست میں شامل تھا اسی انجام سے دوچار ہوئے۔ خاص طور پر فوج کے مسلمان افسروں کی تطہیر کی گئی۔ حالانکہ یہ مسلمان دینداری کے لحاظ سے صفر تھے۔ مگر اقلیتی فرقوں کی مذہبی عصبیت نام کے مسلمانوں کو بھی گوارا کرنے کے لیے تیار نہ تھی۔

علویوں اور دروزیوں میں پھوٹ ۸ ستمبر ۱۹۶۶ء کو مذہبی تعصب نے ایک اور رُخ اختیار کر لیا۔ جنرل صلاح جدید (نُصیری) اور سلیم حاطوم (دروزی) کے درمیان ٹھن گئی۔ سلیم حاطوم کو شکایت تھی کہ ہر جگہ

---

[1] بیروت کے ہفتہ وار الجمہور الجدید نے لکھا ہے کہ "فرانس نے دمشق پر صرف ایک مرتبہ حملہ کیا تھا مگر خود اہل شام دمشق پر ۲۵ مرتبہ حملہ کر چکے ہیں۔

[2] مائیکل عفلق کو بعد میں شام سے نکال دیا گیا۔ البتہ امین الحافظ المزہ جیل میں قید رہا اور اب حالیہ جنگ کے دوران اُسے رہا کر کے شام سے بیروت بھیج دیا گیا ہے۔

نصیریوں کا غلبہ ہے جبکہ نصیری ہر سیکٹر میں صرف دو تہائی اسامیوں کے مستحق ہیں۔ نصیریوں اور دروزیوں کی یہ کشمکش ٹھنڈی جنگ سے گرم جنگ کی شکل اختیار کر گئی۔ چنانچہ ۸ ستمبر ۱۹۶۶ء کو سلیم حاطوم ، طلال ابو علی اور ان کے پندرہ ساتھی فوجی افسروں نے انقلاب کی ایک اسکیم تیار کی۔ اس اسکیم کے تحت مؤخرالذکر گروہ صلاح جدید اور چند دوسرے جنرلوں کو مصالحتی گفت و شنید کے بہانے اپنے مرکز میں بلا کر گولی سے اڑانے کے بعد اقتدار پر قبضہ کر لینے کا اعلان کرنے والا تھا۔ قاہرہ کو اس کا علم تھا۔ مگر قاہرہ نے دو غلا کردار ادا کیا۔ ایک طرف سلیم حاطوم کے گروہ کی حوصلہ افزائی کی اور وقت آنے پر مدد کا یقین دلایا، اور دوسری طرف صلاح جدید اور اس کی حکومت کو اس سازش سے باخبر کر دیا۔ چنانچہ یہ سازش بے نقاب ہو گئی اور سلیم حاطوم اور پندرہ بڑے بڑے فوجی افسر جن میں تمام دروزی تھے، بھاگ کر اردن چلے گئے اور وہاں سیاسی پناہ حاصل کر لی۔ انہوں نے عمان میں ایک پریس کانفرنس میں اپنے بیانات میں بتایا کہ :

الف : شامی حکام میں فرقہ بندی اور گروہی تعصب پایا جاتا ہے۔ اور اس وقت فوج میں علویوں (نصیریوں) کو غلبہ حاصل ہے۔

ب : شامی حکام نے کمیونسٹوں کے ساتھ سازباز کر لی ہے اور اس وقت کمیونسٹ ہی تمام سول محکموں پر چھائے ہوئے ہیں۔

علوی اقلیت اور روس | اسلام پسندوں، ناصریوں اور دروزیوں کی تطہیر کے بعد میدان میں اب صرف نصیری رہ گئے ہیں اور شام اس وقت کلیتہً اسی فرقے کے قبضے میں ہے۔ ۴۵ لاکھ کی آبادی میں اس فرقے کی تعداد سوا دو لاکھ سے زیادہ نہیں ہے۔ ایسی کمزور اقلیت کے لیے جس نے پورے ملک کو اپنا دشمن بنا لیا ہو، تنہا اپنے بل بوتے پر حکمرانی کرنا بالکل محال ہے۔ اسی وجہ سے اس "ناتواں اقلیتی حکومت" نے بلا قید و شرط اپنے آپ کو روس کی گود میں ڈال دیا اور روس نے نورالدین اتاسی (صدر شام) اور ڈاکٹر یوسف زعیّن (وزیراعظم شام) کے کندھوں پر بندوق رکھ کر شام اور مشرق اوسط میں شکار کھیلنا شروع کر دیا۔ بعث پارٹی کا لباس بھی تبدیل کر دیا گیا اور اسے "عوامی محاذ" کا نام دیا گیا۔

اس محاذ میں بعثی اور کمیونسٹ دونوں شامل ہیں۔ بلکہ بعثی تابع اور کمیونسٹ متبوع ہیں۔ اقتصادی اور سیاسی پالیسی مکمل طور پر ماسکو کے ہاتھ میں ہے۔ اقتصادی سیکٹر کے تمام کارکن جسے نیشنلائز کیا جا چکا ہے کمیونسٹ ہیں۔ "مسلح مزدوروں" کی تنظیم کا سربراہ خالد الجندی انتہا پسند کمیونسٹ ہے اور اس تنظیم کے تمام کارکن کمیونسٹ پارٹی کے ورکر ہیں۔ "فرات ڈیم" کے لیے روس نے امداد کا وعدہ کیا ہے۔ روس کے علاوہ مشرقی یورپ کے دیگر کمیونسٹ ممالک بھی شام کے مختلف منصوبوں کے لیے امداد کا وعدہ کر چکے ہیں۔ شام اور مصر کی مصالحت بھی اسی تبدیلی کی بدولت ہوئی ہے ورنہ دونوں ملکوں کا اتحاد ختم ہونے کے بعد سے یہ دونوں کئی ماہ تک ایک دوسرے کے خلاف الزام تراشیوں میں مصروف تھے۔

"مسلح مزدور" نومبر ۱۹۶۶ء میں "انقلابی مزدوروں" کے نام سے ایک تنظیم قائم کی گئی۔ اس کا مقصد بتایا گیا: "شامی قوم کو رجعیت اور استعمار کے اثرات سے پاک کرنا" اس کے بعد شام کے عام باشندوں کو غیر مسلح کر دیا گیا، پرائیوٹ اسلحہ رکھنا خلاف قانون قرار دے دیا گیا، اور ان "انقلابی مزدوروں" کو نہ صرف یہ کہ اسلحہ سے لیس کر دیا گیا بلکہ باقاعدہ انہیں فوجی تربیت بھی دی گئی اور اُن کو کھلی چھٹی دے دی گئی کہ جس جگہ قدامت پرستی کی آواز اٹھے اُسے وہیں دبا دیں۔ جن لوگوں نے حکومت کے خلاف آواز اٹھائی انہیں استعمار کا ایجنٹ قرار دیا گیا، ان کے گھروں کی تلاشیاں لی گئیں اور بے محابا انہیں زدوکوب کیا گیا۔ ان "انقلابی مزدوروں" نے مسجدوں کے اندر گھس کر دورانِ خطبہ اماموں اور خطیبوں کی بے عزتی کی اور انہیں حکومت پر تنقید کرنے سے روکا۔ شام میں یہ تنظیم انہی خطوط پر قائم کی گئی ہے جن خطوط پر چین میں ریڈ گارڈز (سرخ محافظوں) کی تنظیم قائم ہوئی ہے۔ سرخ محافظوں نے چین میں جو ثقافتی انقلاب برپا کیا ہے شام کے مسلح مزدوروں نے بھی "رجعت پسندی" کے استیصال کے لیے اُن کی تقلید کی ہے۔

اسرائیل کے حملے سے چند روز پہلے کے حالات مئی ۱۹۶۷ء میں بعث حکومت کے ایک سرکاری ہفت روزہ جیش الشعب نے جب اسلام پر کھلم کھلا حملے شروع کیے تو مسلمان عوام نے علماء کی قیادت میں ان کے خلاف سخت احتجاج کیا، مظاہرے کیے اور ہڑتالیں کیں۔ مگر عوام کو پُرامن طریقوں سے مطمئن کرنے کے بجائے انہیں تشدد کا نشانہ بنایا گیا۔ "مسلح مزدوروں" نے دکانوں کے تالے توڑے، اور ساز و سامان کو لوٹا

احتجاج کرنے والوں کو جیلوں میں ٹھونسا گیا۔ تقریباً ایک ہفتہ تک یہ صورتِ حال پورے ملک پر طاری رہی اور ابھی مظاہرے اور ہڑتالیں ختم نہ ہوئی تھیں کہ جون ۱۹۶۷ء میں اسرائیل نے حملہ کر دیا۔ ظاہر ہے کہ اسرائیل کے لیے شام پر حملہ آور ہونے کے لیے اس سے زیادہ موزوں کوئی وقت نہ ہو سکتا تھا۔ پھر جب جنگ شروع ہوئی تو بعث پارٹی اس پوزیشن میں نہ تھی کہ اپنی فوج دشمن کے مقابلے پر لا سکتی۔ اس نے ریزرو فوج اسرائیل سے لڑنے کے لیے بھیجی، اور مستقل فوج ملک میں خود اپنے آپ کو اندرونی انقلاب سے بچانے کے لیے روک رکھی

ان تفصیلات کو سامنے رکھتے ہوئے یہ اندازہ لگانا مشکل نہیں ہے کہ جس فوج کا یہ حال ہو کہ اُس نے مسلسل ۱۸ سال خانہ جنگی میں گزارے ہوں اور اپنے بہترین آدمیوں کو خود ہی ختم کر دیا ہو، جس کے قائدین نا سزا اور جس کے لشکری شکستہ ہوں، جس نے اپنی ساری طاقتیں خود اپنے ہی ملک کے باشندوں کو دبانے اور کچلنے پر صرف کر دی ہوں اور جس کے ہاتھوں ملک کا بچہ بچہ نالاں ہو، کیا وہ فوج اسرائیل کا مقابلہ کر سکتی تھی؟ اور کیا وہ عوام جن کے مذہبی عقائد کے خلاف جنگ کی جا رہی ہو، جن کو پوری طرح نہتا کر دیا گیا ہو، اور جن کی اقتصادی اور اخلاقی قوت کو باہر سے درآمد کیے ہوئے نظریات و افکار کی ترویج و تنفیذ سے آدھ موا کیا جا چکا ہو۔ کیا وہ مصیبت پڑنے پر اپنی فوج کی حمایت پر کھڑے ہو سکتے تھے؟ اور کیا وہ پارٹی جو کھلم کھلا خدا اور رسول کی دشمن ہو وہ ایک مسلمان ملک کے عوام میں روحِ جہاد اور جذبۂ فداکاری پھونک سکتی تھی؟

اس کے علاوہ یہ تفصیلات ایک اور حقیقت بھی، جو اس سے تلخ تر ہے، ہمارے سامنے بے نقاب کرتی ہیں۔ دنیا کے مسلمان اس غلط فہمی میں ہیں کہ عالمِ اسلامی کے قلب میں صرف ایک ہی خنجر اسرائیل ہے جو امریکہ اور برطانیہ نے بھونکا ہے۔ لیکن یہ حالات بتا رہے ہیں کہ بعث پارٹی ایک دوسرا خنجر ہے جو اسلامی دنیا کے قلب میں روس نے بھونک رکھا ہے۔